ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3904

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت اسٹڈیز)

کورس: فقہ السیرۃ النبویہ (3904) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (ریونٹ نمبر 6-9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: واقعہ رجیع اور بئر معونہ کے اسباق — تبلیغ، خیانت، صبر اور دارالحرب کے احکام

سوال نمبر 1: فقہ السیرۃ کی روشنی میں واقعہ رجیع اور بئر معونہ سے ہمیں کیا سبق ملتے ہیں؟ خاص طور پر تبلیغ دین، کفار کی خیانت، مسلمانوں کے صبر و استقامت اور دارالحرب میں قیام کے احکام پر تفصیل سے وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

واقعہ رجیع اور واقعہ بئر معونہ مدنی دور کے وہ المناک واقعات ہیں جن میں درجنوں صحابہ کرام محض تبلیغ دین کی خدمت انجام دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ واقعہ رجیع صفر 4 ہجری کے قریب پیش آیا، جب عضل اور قارہ قبائل کے کچھ لوگوں نے مدینہ آ کر اپنے قبائل کے لیے دینی معلمین کی درخواست کی۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابہ کی ایک جماعت بھیجی، جس کی تعداد بعض روایات میں چھ اور بعض میں دس بیان ہوئی ہے۔ رجیع کے مقام پر بنو لحیان نے گھیر اڈالا اور دھوکے سے جماعت پر حملہ کر دیا۔ اسی طرح بئر معونہ کا واقعہ بھی صفر 4 ہجری میں پیش آیا جب نجد کے ایک سردار ابو براء عامر بن مالک نے اپنی قوم کے لیے مبلغین مانگے اور حفاظت کا وعدہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تقریباً ستر قراء صحابہ حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجے، مگر عامر بن طفیل نے دھوکے سے قبائل کو اکسا کر بئر معونہ کے مقام پر ان سب کو شہید کروا دیا۔ ان دونوں واقعات سے فقہ السیرۃ میں کئی اہم اسباق اخذ کیے جاتے ہیں۔

واقعات کی مختصر تفصیل

رجیع میں صحابہ نے امان کی پیشکش کے باوجود قید ہونے سے انکار کیا اور لڑتے ہوئے شہادت پائی، جبکہ حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما گرفتار ہو کر مکہ میں فروخت کیے گئے اور بعد میں شہید کر دیے گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح بخاری کی روایت میں یہ تذکرہ ہے کہ شہادت سے قبل انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی اور یوں یہ عمل بعد میں ایک پسندیدہ سنت کے طور پر معروف ہوا۔ بئر معونہ میں حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے نیزہ بدن کے آر پار ہونے پر بھی اللہ کی قسم کھا کر کعبے کے رب کی کامیابی کا اعلان کیا، جیسا کہ روایات میں منقول ہے۔ نبی کریم ﷺ کو ان دونوں حادثوں کا شدید غم ہوا اور روایات کے مطابق آپ ﷺ نے ایک مدت تک نماز میں قنوت نازلہ کے ذریعے ان ظالم قبائل کے لیے بد دعا فرمائی اور شہداء کے لیے دعا کی۔ ان واقعات کی یہی انسانی و ایمانی کیفیت انہیں محض جنگی حادثے کے بجائے صبر و تبلیغ کا باب بنا دیتی ہے۔

اخذ کردہ اسباق

تبلیغ دین کی اولیت اور اہل علم کی قدر

پہلا سبق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طلب کرنے والوں کو عام مبلغین نہیں بلکہ قراء اور اہل علم بھیجے، کیونکہ تبلیغ کا اصل سرمایہ علم ہے۔ اس سے داعی کی تربیت، قرآن و سنت کی تعلیم اور مخاطب کی زبان و مزاج سمجھنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کی درخواست کرنے والے کی صداقت کی جانچ اور مناسب انتظام داعی ادارے کی ذمہ داری ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بئر معونہ کے لیے روانگی سے پہلے حفاظت کی ضمانت کو خاص اہمیت دی تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتماد کے ساتھ احتیاط بھی نبوی طریقہ ہے۔

خیانت و عہد شکنی کی مذمت

دوسرا سبق یہ ہے کہ امان دے کر یا معلم مانگ کر حملہ کرنا بدترین خیانت ہے، جس کی اسلام نے ہمیشہ مذمت کی ہے۔ فقہاء نے اسی پس منظر میں یہ اصول مرتب کیے کہ امان کا معاہدہ جانی و مالی تحفظ پیدا کرتا ہے، سفیر اور مبلغ کو قتل کرنا سنگین جرم ہے اور عہد شکنی کرنے والے فریق کے ساتھ آئندہ معاملات میں سخت احتیاط برتی جائے گی۔ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ چند افراد یا قبائل کی خیانت کی سزا پورے مذہب یا قوم کو دینا درست نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ذمہ دار فریق ہی کو ہدف بنایا، عام انسانوں کو نہیں۔

صبر، استقامت اور شہادت کا مقام

تیسرا سبق صحابہ کے صبر و استقامت سے ملتا ہے۔ رجیع و بئر معونہ کے شہداء نے جان بچانے کے لیے نہ ایمان کا سودا کیا، نہ ذلت کی قید قبول کی اور نہ آخری لمحے تک خوف کا اظہار کیا۔ ان کے طرز عمل سے یہ اصول ملتا ہے کہ مومن کی اصل کامیابی مقصد کی سچائی اور اللہ پر توکل ہے، نتائج کی فوری صورت سے نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے غم اور قنوت نازلہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رہبر کا اپنے ساتھیوں کے دکھ میں شریک ہونا اور ان کے لیے دعا کرنا قیادت کا لازمی حصہ ہے، اور یہ کہ غم کا اظہار صبر کے منافی نہیں۔

دارالحرب میں قیام کے احکام: اصولی خاکہ

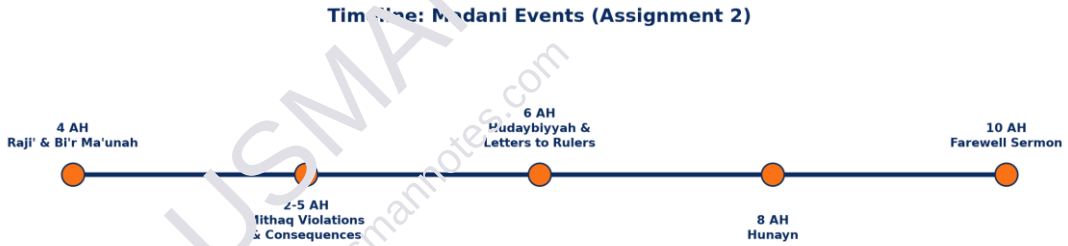
چوتھا پہلو دارالحرب میں قیام کے احکام کا ہے۔ فقہاء نے سیرت کے مجموعی اصولوں سے اس باب میں یہ بنیادیں مرتب کی ہیں کہ مسلمان جب کسی غیر مسلم علاقے میں امان لے کر داخل ہو تو وہ وہاں کے امن کو خراب نہیں کرے گا، نہ ہی کسی کی جان و مال کو دھوکے سے نقصان پہنچائے گا، کیونکہ امان دوطرفہ عہد ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان وہاں دین پر عمل اور اس کے اظہار کی استطاعت رکھتا ہو تو اس کا قیام فقہاء کے نزدیک شرائط کے ساتھ زیرِ بحث رہا ہے، اور اگر جان، مال یا دین کو یقینی خطرہ ہو تو ہجرت و منتقلی کے احکام زیرِ غور آتے ہیں۔ دارالحرب میں مبلغین اور سفیروں کی حرمت کا اصول بھی انہی مقاصد سے ثابت ہوتا ہے کہ دعوت کے لیے جانے والا قاصد جنگجو نہیں ہوتا۔ البتہ یہ تاکید ضروری ہے کہ یہ فقہی بحث خالصتاً تعلیمی ہے۔ کسی موجودہ ریاست، قوم یا فرد پر ان تاریخی اصطلاحات کا اطلاق اور اس بنیاد پر کوئی عملی فیصلہ صرف مستند علماء اور قانونی عدالتوں و مقتدر اداروں کا اختیار ہے، عام فرد کو سیرت کے مطالعے سے خود کوئی حکم نافذ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

جدول: رجیع و بئرِ معونہ کا تقابلی خاکہ

پہلو	رجیع	بئرِ معونہ
وقت	صفر 4ہجری کے قریب	صفر 4ہجری
جماعت	حضرت عاصم بن ثابت کی قیادت، تقریباً 6 تا 10 صحابہ	حضرت منذر بن عمرو کی قیادت، تقریباً 70 قراء
سبب ظاہری	عضل و قارہ کی معلمین کی درخواست	ابوبراء کی درخواست اور حفاظت کا وعدہ
انجام	اکثر شہید، دو صحابہ مکہ میں فروخت ہو کر شہید	تقریباً تمام جماعت شہید
فقہی سبق	امان کی خیانت کی سنگینی، استقامت	قنوتِ نازلہ، قاصد و مبلغ کی حرمت، رہبر کا غم

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ رجیع و بئرِ معونہ محض دو حادثے نہیں بلکہ دعوت کے پورے فلسفے کا آئینہ ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ دین اسلام کی اولیں ترجیح ہے، اہل علم اس کی اصل قوت ہیں، خیانت و عہد شکنی ہر حال میں مذموم ہے، اور مصیبت میں صبر و استقامت ہی مومن کی پہچان ہے۔ دارالحرب کے احکام بھی انہی اصولوں سے جڑے ہیں کہ امان کا احترام، قاصد کی حرمت اور معاہدے کی پابندی مسلمان کے کردار کا حصہ ہے۔ طالب علم کو ان واقعات کا مطالعہ عبرت اور علمی فہم کے لیے کرنا چاہیے، اور معاصر تطبیق کے سوالات مستند اہل علم سے پوچھنے چاہئیں۔



شکل: مدنی دور کے اہم واقعات کی ترتیب (Assignment 2)

سوال نمبر 2: غزوہ حنین — لشکر کی دوبارہ تنظیم، صحابہ کی خدمات اور نبوی جنگی قیادت

سوال نمبر 2: غزوہ حنین میں جب مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے کس طرح لشکر کو دوبارہ مجتمع کیا؟ حضرت عباسؓ اور دیگر صحابہ کی کیا خدمات رہیں اور آپ ﷺ کی جنگی قیادت کی کون سی نمایاں خصوصیات اس معرکے میں سامنے آئیں؟ (20 نمبر)

تعارف

غزوہ حنین شوال 8 ہجری میں، فتح مکہ کے فوراً بعد پیش آیا۔ قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے مسلمانوں کے خلاف بڑا لشکر تیار کیا، جس کی قیادت مالک بن عوف کر رہا تھا۔ وہ اپنے اہل و عیال اور مال مویشی بھی ساتھ لایا تھا تاکہ کوئی سپاہی پیچھے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت تقریباً بارہ ہزار تھی، جن میں فتح مکہ کے بعد شامل ہونے والے نئے مسلمان بھی

تھے۔ کثرت تعداد نے بعض دلوں میں خود اعتمادی کی ایسی کیفیت پیدا کر دی تھی کہ قرآن مجید نے بھی اس دن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفہوماً یہ سبق دیا کہ کثرت اللہ کی مدد کے بغیر کام نہیں آتی، جیسا کہ سورہ توبہ میں اس واقعے کا ذکر آیا ہے۔ وادی حنین کی تنگ گھاٹیوں میں چھپے تیر اندازوں کے اچانک حملے نے لشکر کو منتشر کر دیا، مگر اسی انتشار کے اندر نبوی قیادت کی عظمت پوری طرح ظاہر ہوئی۔

لشکر کی دوبارہ تنظیم کیسے ہوئی؟

ابتدائی حملے میں مسلمانوں کی اگلی صفیں پلٹیں اور انتشار تیزی سے پھیلا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے گرد صرف چند صحابہ رہ گئے۔ اس نازک لمحے میں تین اقدامات فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ پہلا اقدام خود رسول اللہ ﷺ کا میدان میں ڈٹ جانا تھا۔ آپ ﷺ اپنے خچر پر دشمن کی طرف بڑھتے رہے اور کتابوں میں منقول ہے کہ آپ ﷺ اپنی نبوت کا اعلان فرماتے ہوئے صحابہ کو پکارتے تھے، جس کا حاصل یہ تھا کہ آپ غلط دعویٰ کرنے والے نہیں بلکہ سچے رسول ہیں اور میدان نہیں چھوڑیں گے۔ سپہ سالار کا قدم نہ ہٹنا فوج کے لیے سب سے بڑا اعلان ہوتا ہے کہ جنگ ختم نہیں ہوئی۔ دوسرا اقدام حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پکار تھی، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ تیسرا اقدام یہ تھا کہ جب صحابہ پلٹ کر جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے مٹھی بھر خاک دشمن کی طرف پھینکی، جسے روایات نے ایمانی و نفسیاتی ضرب کے طور پر بیان کیا ہے، اور پھر منظم حملے کا حکم دیا۔ اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ تنظیم کسی ایک تدبیر کا نہیں بلکہ ثابت قدمی، رابطے اور فوری جوابی نظم کے امتزاج کا نتیجہ تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی خدمات

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز انتہائی بلند تھی۔ جب لشکر منتشر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ بیعت رضوان والوں اور سورہ بقرہ کی تلاوت کرنے والوں یعنی تجربہ کار صحابہ کو پکاریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پہاڑی انداز میں اتنی بلند آواز سے پکارا کہ منتشر سپاہیوں تک آواز پہنچی اور وہ امت کے اصل لشکر کے گرد جمع ہونے لگے۔ اسی طرح حضرت ابو سفیان بن حارث، حضرت علی، حضرت عباس و دیگر چند صحابہ آپ ﷺ کے آس پاس ڈٹے رہے، بعض نے آپ ﷺ کی سواری کی لگام تھامی اور بعض نے دشمن کے دباؤ کو روکا۔ حضرت ابو قتادہ اور دیگر انصار و مہاجرین نے پلٹ کر سخت جنگ کی۔ فتح کے بعد مال غنیمت کی تقسیم جعرانہ میں ہوئی، جس میں نئے

مسلمانوں کو دل جوئی کے لیے زیادہ حصہ دیا گیا۔ انصار کی ممکنہ دل آزاری دور کرنے کے لیے آپ ﷺ نے ان سے جو تاریخی خطاب فرمایا، اس کا مفہوم یہ تھا کہ لوگ دنیوی مال لے کر لوٹیں گے اور انصار رسول اللہ ﷺ کو لے کر لوٹیں گے، جس پر انصار راضی اور مسرور ہو گئے۔ یہ بھی اسی غزوے کا حصہ ہے کہ شکست کے دہانے سے فتح تک کا سفر قیادت اور فوج دونوں کی مشترکہ خدمت سے مکمل ہوا۔

نبوی جنگی قیادت کی نمایاں خصوصیات

شخصی شجاعت اور میدان میں موجودگی

آپ ﷺ کی قیادت کا پہلا وصف یہ ہے کہ سپہ سالار خود سب سے خطرناک مقام پر موجود تھا۔ حکم پیچھے سے نہیں بلکہ اگلی صف سے صادر ہو رہا تھا، اس لیے سپاہیوں کو یقین تھا کہ ہٹنے کا کوئی ارادہ قیادت کے ذہن میں نہیں۔

نفسیاتی قیادت اور رابطے کا نظام

دوسرا وصف حوصلے کی بحالی کا فن ہے۔ خود کو پیش کر کے اعلان کرنا، بلند آواز ترجمان کے ذریعے مخصوص وفادار گروہ کو پکارنا اور پھر عمومی لشکر کو اسی محور پر جمع کرنا نفسیاتی قیادت کی عمدہ مثال ہے۔ آج کی عسکری تعلیم میں بھی اسے کمانڈ اینڈ کنٹرول اور مورال کی بحالی کہا جاتا ہے۔

فاتحانہ اخلاق اور سیاسی حکمت

تیسرا وصف فتح کے بعد کا برتاؤ ہے۔ طائف کا محاصرہ بغیر نتیجے کے اٹھایا گیا تاکہ بے مقصد خونریزی نہ ہو، ہوازن کے قیدی بعد میں وفد کی درخواست پر رہا کر دیے گئے، اور غنیمت کی تقسیم میں نئے دلوں کو جوڑنے کو پرانی خدمات پر وقتی مصلحت میں مقدم رکھا گیا، پھر انصار کو بھی عزت و وضاحت سے مطمئن کیا گیا۔ یہ اصول بتاتا ہے کہ جنگی قیادت صرف میدان جیتنے کا نام نہیں بلکہ جنگ کے بعد کے معاشرے کو جوڑنے کا فن بھی ہے۔

جدول: حنین میں بحران اور اس کا نبوی حل

بحران کی صورت	نبوی و صحابہ کا اقدام	نتیجہ
تنگ وادی میں اچانک تیر اندازی	سپہ سالار کا میدان میں ثابت قدم رہنا	قیادت کا محور قائم رہا
لشکر کا انتشار	حضرت عباس کی پکار سے وفادار دستوں کی واپسی	لشکر دوبارہ منظم لڑائی کے قابل ہوا
تعداد پر بھروسہ	توکل اور تنظیم کی طرف واپسی کی تعلیم	فتح کے بعد خود احتسابی کا مزاج پیدا ہوا
فتح کے بعد تقسیم پر بے چینی	جعرانہ کا خطاب اور وضاحت	انصار کی مکمل رضامندی اور اتحاد برقرار

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ غزوہ حنین میں لشکر کی دوبارہ تنظیم رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ثابت قدمی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پُراثر پکار اور مخلص صحابہ کے فوری پلٹنے سے ممکن ہوئی۔ اس معرکے نے نبوی جنگی قیادت کی جو خصوصیات اجاگر کیں، ان میں شخصی شجاعت، نفسیاتی استحکام، رابطے کی مہارت، فتح میں نرمی اور جنگ کے بعد سیاسی حکمت شامل ہیں۔ فقہ السیرۃ کا طالب علم اس سے یہ ابدی سبق لیتا ہے کہ کثرت اور اسباب کی جگہ اصل قوت ایمان، نظم اور بھرپور قیادت ہے، اور بحران میں پلٹنا کمزوری نہیں بلکہ تربیت یافتہ جماعت کی پہچان ہے۔

سوال نمبر 3: یہود کی میثاق مدینہ کی خلاف ورزی — اسباب اور نتائج

سوال نمبر 3: یہود نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کیوں کی اور اس کے نتیجے میں ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ (20 نمبر)

تعارف

میثاق مدینہ اسلامی تاریخ کا وہ اولین تحریری معاہدہ ہے جس نے مدینہ کے متنوع قبائل کو ایک شہری نظام میں جوڑا۔ اس میثاق میں مسلمانوں، مہاجرین و انصار اور مدینہ کے یہودی قبائل یعنی بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سب کو ذر سہری وحدت کے حصے کے طور پر آیا۔ شرائط میں یہ شامل تھا کہ مدینہ پر حملے کی صورت میں سب مشترکہ دفاع کریں گے، کوئی فریق قریش یا ان کے حلیفوں کو پناہ نہیں دے گا، اور اختلافات کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہودی قبائل کو ان کے دین پر عمل کی آزادی اور جان و مال کا تحفظ حاصل تھا۔ اس کے باوجود چند ہی برس میں تینوں قبائل کے ساتھ تعلقات ختم ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ خلاف ورزی کیوں ہوئی اور اس کے نتیجے میں کیا سلوک کیا گیا۔ یہاں اس موضوع کو خالصتاً تعلیمی اور تاریخی انداز میں بیان کیا جا رہا ہے۔

خلاف ورزی کے اسباب

پہلا سبب سیاسی و معاشی رقابت تھا۔ یہودی قبائل مدینہ کی معیشت، خصوصاً بنو قینقاع کے پاس بازار اور اسلحہ سازی و سونے چاندی کے کاروبار کی وجہ سے مضبوط حصہ تھے۔ مسلمانوں کی نئی ریاست نے ان کی اس اجارہ داری کو ختم کر دیا، جس سے سرداران یہود میں بے چینی پیدا ہوئی۔ دوسرا سبب مذہبی توقعات کا ٹکراؤ تھا۔ اہل کتاب کے بعض علماء نبی آخر الزماں کی آمد کے منتظر تھے، لیکن وہ یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہو گا۔ بنو اسماعیل سے نبوت کو قبول کرنا ان کے سرداروں کے لیے مشکل ثابت ہوا، اگرچہ مدینہ کے چند یہودی علماء نے اسلام قبول بھی کیا۔ تیسرا سبب قریش سے ساز باز تھا۔ ہر بڑے معرکے کے وقت یہودی قبائل کا کوئی نہ کوئی طبقہ مسلمانوں کے خلاف دشمن کو معلومات یا تعاون فراہم کرنے میں ملوث پایا گیا، جو میثاق کی بنیادی دفاعی شق کی براہ راست خلاف ورزی تھی۔ چوتھا سبب اشتعال انگیز انفرادی واقعات تھے، مثلاً بنو قینقاع کے بازار کا واقعہ جس میں ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی اور اس کے نتیجے میں ہونے والی جھڑپ نے قبیلے کو اجتماعی ٹکراؤ کی طرف دھکیل دیا۔ ان اسباب نے بتدریج اعتماد ختم کر دیا۔

ہر قبیلے کے نتیجے میں کیا سلوک ہوا؟

بنو قینقاع (2 ہجری)

غزوہ بدر کے بعد بنو قینقاع نے کھل کر مخالفت اور بازار کے واقعے کے بعد جھڑپ کی صورت پیدا کر دی۔ مسلمانوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا، حتیٰ کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ عبداللہ بن ابی کی سفارش کے زیر اثر انہیں قتل کے بجائے مدینہ سے رخصت ہونے کا موقع دیا گیا اور وہ اپنا مال و اسباب لے کر اذرعات کی طرف چلے گئے، جیسا کہ کتب سیرت میں بیان ہے۔ یہ نتیجہ اس اعتبار سے قابل توجہ ہے کہ پہلی خلاف ورزی میں سب سے نرم ترین رویہ رکھا گیا۔

بنو نضیر (4 ہجری)

بنو نضیر کے معاملے میں صورت حال اس وقت سنگین ہوئی جب ایک دیت کے سلسلے میں امداد کی غرض سے نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور روایات کے مطابق ان کے چند سرداروں نے آپ ﷺ کے قتل کی سازش کی، جس کی اطلاع پا کر آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد انہیں مدینہ چھوڑنے کا وقت دیا گیا۔ پہلے انہوں نے ماننے کا اظہار کیا مگر منافقین کی امید پر محاصرے کی صورت میں ڈٹ گئے، پھر شرائط کے تحت رخصت ہونے پر آمادہ ہو گئے۔ وہ خیبر اور شام کی طرف گئے اور ان کے چھوڑے ہوئے باغات و املاک شرعی حکم کے تحت ریاست کی تحویل میں آئے، جن کی تقسیم مہاجرین میں ہوئی اور یوں انصار پر مہاجرین کا بوجھ ختم ہو گیا۔

بنو قریظہ (5 ہجری)

بنو قریظہ کا معاملہ سب سے سنگین تھا، کیونکہ غزوہ احزاب کے نازک ترین وقت میں، جب پورا مدینہ دس ہزار کے لشکر سے گھرا ہوا تھا، انہوں نے دفاعی معاہدہ توڑ کر دشمن سے رابطہ کیا اور مدینہ کے اندرونی حصے کے لیے خطرہ پیدا کر دیا، جہاں مسلمانوں کے اہل و عیال موجود تھے۔ احزاب کے خاتمے کے بعد ان کا محاصرہ ہوا اور آخر کار انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ فیصلہ ان کے پرانے حلیف قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کریں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تورات کے قانون قتل و اسیری کے اصول کو بنیاد بنا کر سخت فیصلہ دیا، جس پر عمل ہوا اور لڑنے کی اہلیت رکھنے والے مردوں کو قتل کیا گیا، جبکہ عورتیں و بچے قیدی بنائے گئے، جیسا کہ کتب سیرت و

حدیث میں درج تفصیلات ہیں۔ماہرین اسے زمانے کے جنگی قانون اور اسی قوم کی کتاب کے حکم سے جوڑ کر بیان کرتے ہیں، اور طالب علم کو بھی اس واقعے کو اسی تاریخی و قانونی پس منظر میں تعلیمی طور پر پڑھنا چاہیے۔

جدول: تینوں یہودی قبائل کی خلاف ورزی اور نتیجہ

قبیلہ	وقت	خلاف ورزی کی نوعیت	نتیجہ
بنو قینقاع	2 ہجری	بازار کا واقعہ، کھلی جھڑپ و عہد شکنی	مدینہ سے رخصتی، اذرعات کی طرف روانگی
بنو نضیر	4 ہجری	قتل کی سازش، جاسوسی و سرکشی	خیبر و شام کی طرف رخصتی، املاک ریاست میں
بنو قریظہ	5 ہجری	غزوہ احزاب میں دشمن سے ساز باز	سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق سخت قانونی کارروائی

فقہ السیرۃ سے اخذ شدہ اصول اور ایک ضروری وضاحت

ان واقعات سے فقہاء نے چند اصولی نکات اخذ کیے ہیں۔ پہلا یہ کہ ریاست معاہدوں کی مکمل پابندی کرتی ہے اور براہ راست ثبوت اور تدریجی مراحل کے بعد اقدام کرتی ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ ہر قبیلے کو پہلے بات چیت، وقت اور رخصتی کا موقع دیا گیا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ دفاعی معاہدے کی خلاف ورزی خصوصاً جنگ کی حالت میں دشمن سے تعاون کو ریاستی سلامتی کے خلاف سنگین جرم سمجھا جاتا ہے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ مسلمان ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق معاہدے کی پاسداری تک مکمل محفوظ تھے، جس کی دلیل خود میثاق کا متن ہے۔ یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ یہ تمام واقعات چودہ صدیاں قبل کی ایک مخصوص ریاستی و جنگی صورت حال سے متعلق ہیں۔ ان کی بنیاد

پر آج کسی قوم، مذہبی گروہ یا فرد کے بارے میں کوئی رائے یا رویہ اختیار کرنا طالب علم یا عام فرد کا کام نہیں۔ بین الاقوامی قانون، ملکی آئین اور مستند علماء و عدالتوں کی رہنمائی ہی معاصر عمل کی بنیاد ہے، اور یہی اس تعلیمی جواب کا موقف ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ یہودی قبائل نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی معاشی و سیاسی رقابت، مذہبی توقعات کے ٹکراؤ اور قریش سے ساز باز کی وجہ سے کی۔ اس کے نتائج ہر قبیلے کی خلاف ورزی کے درجے کے مطابق مختلف رہے: قینقاع کو رخصتی، نضیر کو جلاوطنی اور قریظہ کو ان کے منتخب کردہ ثالث کے فیصلے کے تحت سخت قانونی انجام ملا۔ فقہ السیرۃ کی رو سے ان واقعات کی تعلیم معاہدوں کی اہمیت، ریاستی سلامتی اور حقوق کی پاسداری کا توازن سمجھنے کے لیے ہے نہ کہ معاصر دنیا میں کسی گروہ کے خلاف تعصب پیدا کرنے کے لیے۔

سوال نمبر 4: صلح حدیبیہ کے بعد قیصر روم کو خط — پیغام، ردعمل اور حضرت دحیہ کلبیؓ کی سفارت

سوال نمبر 4: صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قیصر روم کو خط کیوں بھیجا؟ اس خط میں کیا پیغام دیا گیا تھا اور قیصر روم نے اس خط پر کیا ردعمل ظاہر کیا؟ اس ملاقات کے دوران حضرت دحیہ کلبیؓ کی تقریر کے کیا نکات تھے اور قیصر روم نے اس تقریر کو کس انداز میں سنا؟ (20 نمبر)

تعارف

صلح حدیبیہ (6 ہجری) کو قرآن مجید نے کھلی فتح قرار دیا، جس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اس صلح نے مسلمانوں کو عرب کے اندرونی محاذ سے فراغت دے کر دعوت کا رخ عالمی قیادت کی طرف موڑنے کا موقع دیا۔ اسی پس منظر میں محرم 7 ہجری میں نبی کریم ﷺ نے دنیا کے بڑے حکمرانوں کو خطوط ارسال فرمائے، جن میں قیصر روم ہرقل، کسریٰ ایران، مقوقس مصر، نجاشی حبشہ اور شام و یمامہ کے حکام شامل تھے۔ قیصر روم کو لکھا گیا خط اس لیے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ بازنطینی سلطنت اس دور کی سب سے بڑی منظم

عیسائی طاقت تھی اور اس خط کی تفصیل صحیح بخاری سمیت حدیث و سیرت کی مستند کتابوں میں خاص اہتمام سے محفوظ ہے۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ اس خط کے سفیر تھے۔ اس سوال میں ہم خط کی وجوہات، اس کا پیغام، قیصر کا ردعمل اور دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی سفارتی گفتگو کا جائزہ لیں گے۔

خط کیوں بھیجا گیا؟

خط بھیجنے کی پہلی وجہ نبوت کی عالمگیریت تھی۔ سیرت سے واضح ہے کہ اسلام کا پیغام کسی ایک قوم تک محدود نہیں تھا، بلکہ مکہ ہی کے دور سے اس کا دائرہ پھیلایا جا رہا تھا۔ حدیبیہ کے بعد یہ مرحلہ عملی صورت اختیار کر گیا۔ دوسری وجہ حکمت دعوت تھی کہ جب کسی قوم کا سربراہ پیغام قبول کر لے تو رعایا تک دعوت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ شام بازنطینی سلطنت کے زیر اثر عرب قبائل کا علاقہ تھا، اور شمال کی سکیورٹی و تجارت کے لیے نبی ﷺ کی قوم سے تعلق کی وضاحت ضروری تھی۔ یہ بھی اہم ہے کہ خط میں کسی دنیوی پیشکش یا دباؤ کا عنصر نہیں تھا، بلکہ یہ خالص دینی دعوت تھی۔ اس سے فقہ السیرۃ میں یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ ریاست کے قیام کے بعد دعوت کا باقاعدہ بین الاقوامی نظام سفراء اور تحریری مکتوبات کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔

خط کا پیغام

صحیح بخاری میں محفوظ اس مکتوب کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ خط کا آغاز اللہ کے نام سے ہوا، پھر لکھا گیا کہ یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام ہے۔ اس میں سلامتی کی دعا اس شخص کے لیے کی گئی جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد ہرقل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی اور بتایا گیا کہ اسلام قبول کرنے سے وہ محفوظ رہے گا اور اسے دوہرا اجر ملے گا، ایک اپنے نبی پر ایمان رکھنے کا اور دوسرا اس نبی آخر الزماں کی اتباع کا جو پچھلی کتابوں میں مذکور ہے۔ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ اگر وہ انکار کرے گا تو اپنی رعایا کے ایمان نہ لانے کا بوجھ بھی اسی پر ہو گا، کیونکہ رعایا عموماً حکمران کی پیروی کرتی ہے۔ خط کے اختتام پر سورہ آل عمران کی وہ آیت درج تھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب کو اس مشترک بات کی طرف بلایا جائے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنایا جائے۔ خط پر رسول اللہ ﷺ کی مہر بھی ثبت تھی، جس سے سرکاری مکتوب کی سند مکمل ہوئی۔

حضرت دحیہ کلبیؓ کی سفارت اور تقریر کے نکات

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ شام کے راستوں اور رومی سیاست سے واقف، خوب رو اور باوقار صحابی تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بصریٰ کے حاکم کے توسط سے قیصر تک خط پہنچانے کا حکم دیا تھا اور وہ یہ ذمہ داری انجام دے کر قیصر کے دربار تک پہنچے۔ کورس کی کتاب اور کتب سیرت میں بیان کردہ اس ملاقات کے مطابق حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے قیصر کے سامنے جو گفتگو فرمائی، اس کے نکات یہ تھے کہ انہوں نے سب سے پہلے توحید کا تعارف پیش کیا کہ مسلمان اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو اکیلا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ دوسرا نکتہ نبوت کی وضاحت تھا کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں جن کی پیش گوئیاں پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ تیسرا نکتہ یہ تھا کہ اسلام کسی سلطنت کا دنیوی منصوبہ نہیں بلکہ انسانیت کی ہدایت کا پیغام ہے، جس میں بادشاہ اور رعایا سب اللہ کے سامنے برابر ہیں۔ چوتھا نکتہ حسن اخلاق کا ذکر تھا کہ مسلمان جھوٹ، خیانت اور ظلم سے بچتے ہیں اور ان کا نبی صادق و امین کے طور پر تمام عرب میں معروف ہے۔ پانچواں نکتہ یہ اہم مشاہدہ تھا کہ سفیر نے نہ خوشامد کی اور نہ دھمکی دی، بلکہ پیغام اسی وقار سے پیش کیا جو ایک رسول کے قاصد کو زیب دیتا ہے۔

قیصر روم کا ردعمل

روایات کے مطابق قیصر ہرقل نے اس خط کو پوری توجہ اور سنجیدگی سے سنا۔ عین اسی دوران ابوسفیان بن حرب تجارت کی غرض سے شام میں موجود تھے، جنہیں قیصر نے دربار میں بلا کر نبی ﷺ کے بارے میں سوالات کیے۔ یہ مشہور مکالمہ صحیح بخاری میں تفصیل سے مذکور ہے: قیصر نے نسب، صداقت، پیروکاروں کے حالات، عہد کی پابندی اور تعلیمات کے بارے میں پوچھا اور ہر جواب سن کر نتیجہ نکالا کہ یہ نشانیاں کسی سچے نبی ہی کی ہو سکتی ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ہرقل نے کہا کہ اگر یہ باتیں درست ہیں تو یہ نبی عنقریب اس سرزمین کا بھی مالک ہو گا جہاں وہ کھڑا ہے، اور اگر اس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو وہ خود جا کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اس نے اپنے درباریوں کے سامنے اسلام کی دعوت رکھنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا، لیکن جب اس نے کلیسا کے بڑوں اور امراء کی ناراضی دیکھی تو اس نے اپنی سلطنت کو مقدم رکھا اور عملی قبول اسلام سے پیچھے ہٹا۔ اس کے باوجود اس

نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کی، خط کا احترام برقرار رکھا اور جوابی طور پر نرمی کا رویہ اختیار کیا۔ فقہاء نے اس سارے واقعے سے یہ اصول اخذ کیے ہیں کہ حکمران کی شخصیت دعوت میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے، سچائی کی گواہی دشمن بھی دیتا ہے اور سفیر کا تحفظ و احترام بین الاقوامی آداب کا حصہ ہے۔

جدول: حدیبیہ کے بعد بھیجے گئے مشہور خطوط

ردعمل کا خلاصہ	سفیر	حکمران
توجہ سے سنا، تحقیق کی، قبول کرنے سے سلطنت کی خاطر رک گیا	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ	ہرقل، قیصر روم
تکبر سے خط پھاڑا، سخت ردعمل	حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ	کسریٰ، شاہ ایران
نرم رویہ، روایات میں قبول اسلام کا ذکر	حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ	نجاشی، شاہ حبشہ
تحائف کے ساتھ شائستہ جواب، اسلام قبول نہ کیا	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	مقوقس، حاکم مصر

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قیصر روم کو خط صلح حدیبیہ کی فراہم کردہ فراغت، نبوت کی عالمگیریت اور سربراہان قوم تک دعوت پہنچانے کی حکمت کے تحت بھیجا گیا۔ اس کا پیغام توحید، نبوت کی تصدیق اور اہل کتاب کو مشترک کلمے کی دعوت پر مشتمل تھا۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام وقار، وضاحت اور حسن اخلاق کے ساتھ پہنچایا اور قیصر نے اسے توجہ سے سن کر سچائی کی نشانیوں کا اعتراف کیا، اگرچہ سلطنت کے مفاد نے اسے قبول سے روک دیا۔ یہ واقعہ فقہ السیرۃ میں سفارتی دعوت کی سب سے روشن مثال ہے کہ اسلام کا پیغام جنگ سے پہلے بات چیت، دلیل اور خط و کتابت سے پہنچایا جاتا ہے۔

سوال نمبر 5: خطبہ حجۃ الوداع کے اصولوں کی روشنی میں اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال

سوال نمبر 5: رسول اللہ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں عدل، امانت اور انسانی حقوق کے حوالے سے جو اصول بیان کیے گئے ان کی روشنی میں اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال پر تفصیلی تجزیہ کریں۔(20 نمبر)

تعارف

خطبہ حجۃ الوداع اسلام کا وہ عظیم اعلان ہے جو ذوالحجہ 10 ہجری میں عرفات اور منیٰ کے مقامات پر لاکھوں مسلمانوں کے مجمع میں دیا گیا۔ اس خطبے کی روایات صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت سمیت متعدد کتب حدیث و سیرت میں محفوظ ہیں اور مفسرین و سیرت نگار اس کا مجموعی مضمون متفقہ طور پر بیان کرتے ہیں۔ یہ خطبہ دراصل مدنی ریاست کے آئین کا آخری اور جامع خلاصہ تھا۔ اس میں پچھلی تیئس سالہ نبوی تعلیم کے وہی بنیادی اصول ایک فیصلہ کن تاکید کی صورت میں دہرائے گئے جو ایک فلاحی اسلامی ریاست کی بنیاد بنتے ہیں۔ اس سوال میں خاص طور پر عدل، امانت اور انسانی حقوق کے حوالے سے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔

خطبے کے بنیادی اصول

جان و مال کی حرمت

خطبے کا پہلا بڑا اصول یہ تھا کہ ہر مسلمان کی جان اور اس کا مال اسی طرح محترم ہے جس طرح حج کا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ مقام محترم ہے۔ اس اعلان نے انسانی زندگی اور ذاتی ملکیت کو ریاست کی حفاظت کے دائرے میں دے دیا، یعنی کوئی فرد اور کوئی ادارہ قانون کے بغیر کسی کی جان و مال کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اسی لمحے جاہلیت کے تمام خونی دعوے اور بدلہ چکانے کے نظام ختم کرنے کا اعلان ہوا اور سود کی تمام صورتیں کالعدم قرار دے کر معاشی استحصال کا دروازہ بند کیا گیا۔

عدل و مساوات

خطبے میں اس اصول کو نمایاں کیا گیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے، جیسا کہ خطبے کے متداول متون میں اس مضمون کا ذکر ہے۔ اسی طرح خواتین کے حقوق کے حوالے سے ہدایت کی گئی کہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کیا جائے اور ان کے حقوق کی رعایت کی جائے، کیونکہ وہ اللہ کی امانت کے طور پر تمہارے پاس ہیں۔ اس اصول نے قانون کے سامنے مساوات اور صنفی انصاف دونوں کی بنیاد رکھ دی۔

امانت اور جواب دہی

خطبے میں امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچانے اور قرضوں کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ مزید یہ واضح کیا گیا کہ اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رہنا کامیابی کی ضمانت ہے اور یہ کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا اس کی رضامندی کے بغیر اس کا مال لینا جائز نہیں۔ یہی امانت کا اصول راستی سطح پر یوں ترجمہ ہوتا ہے کہ منصب، مال عامہ اور اختیار سب امانت ہیں اور ہر صاحب اختیار اپنے عمل کا جواب دہ ہے، اپنے حکمران کے سامنے اور آخرت میں اللہ کے سامنے۔

اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال: تجزیہ

قانون کی حکمرانی

خطبے کی روشنی میں اسلامی ریاست کی پہلی شناخت قانون کی بالادستی ہے۔ جب جان و مال کی حرمت کا اصول بادشاہ اور عام شہری سب پر یکساں لاگو ہو تو کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں رہتا۔ مدنی ریاست میں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقرباء تک سے متعلق یہ واضح کیا کہ سود اور جاہلی رسوم کی منسوخی کا آغاز اپنے ہی خاندان کی ذمہ داریوں سے کیا جا رہا ہے۔ یہ عمل حکمران کے لیے یہ معیار قائم کرتا ہے کہ قانون کی تطبیق کا آغاز ہمیشہ اپنی ذات اور اپنے گھر سے ہو۔

انسانی حقوق کی جامع ضمانت

دوم، اسلامی ریاست انسانی حقوق کی ضامن ہے۔ زندگی کا تحفظ، ملکیت کی حفاظت، عزت نفس، خواتین کے حقوق، محنت کا معاوضہ اور نسلی و لسانی برتری کا خاتمہ وہ ستون ہیں جن پر یہ نظام کھڑا ہے۔ جدید آئینی اصطلاحات میں انہیں بنیادی حقوق کہا جاتا ہے، مگر خطبہ حجۃ الوداع میں انہیں ان بنیادی حقوق سے کہیں پہلے اور کہیں زیادہ جامع انداز میں، خدائی جواب دہی کے ساتھ جوڑ کر بیان کر دیا گیا تھا۔

معاشی عدل و احتساب

سوم، خطبے سے معاشی نظام کا نقشہ ملتا ہے۔ سود کی کلی ممانعت اس بات کا اعلان ہے کہ ریاست دولت کے ارتکاز اور استحصالی قرض کے نظام کو قبول نہیں کرے گی۔ امانت و قرض کی ادائیگی کی تاکید تجارتی دیانت کو قانونی و اخلاقی ذمہ داری بناتی ہے۔ بیت المال کا نظام اسی اصول کی عملی صورت ہے تاکہ عوامی مال خزانے کے بجائے عوام کی امانت ہے، جس کی بدعنوانی خیانت شمار ہو گی۔

شہری اخوت اور قومی یکجہتی

چہارم، خطبے نے معاشرے کو باہمی بھائی چارے کا پابند بنایا۔ نسلی، علاقائی اور قبائلی تعصبات ختم کر کے ریاست کی وحدت ایک فکری و اخلاقی بنیاد پر رکھی گئی۔ یہی خدوخال جدید ریاستوں کے لیے بھی سبق ہے کہ پائیدار یکجہتی جبر سے نہیں عدل اور حقوق کی یکسانیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح خطبے میں نماز، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کی بنیادوں کا اعادہ اس نکتے کو ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی ریاست میں مذہبی و اخلاقی تربیت ریاستی ڈھانچے سے الگ نہیں بلکہ اس کی روح ہے۔

جدول: خطبہ حجۃ الوداع کے اصول اور ریاستی خدوخال

عملی صورت	ریاستی خدوخال	خطبے کا اصول

قانون کے بغیر کوئی گرفت یا ضبطی نہیں	قانون کی حکمرانی	جان و مال کی حرمت
آئین و قانون کے سامنے سب برابر	نسلی و طبقاتی امتیاز کا خاتمہ	مساوات و تقویٰ کا معیار
عوامی مال کی حفاظت، بدعنوانی پر سزا	احتساب و شفافیت	امانت و قرض کی ادائیگی
استحصالی قرض کا خاتمہ، زکوٰۃ و صدقات کا نظام	معاشی عدل	سود کی ممانعت
نکاح، مہر اور حسن سلوک کے قانونی تحفظات	صنفی انصاف	خواتین کے حقوق
تعصب کی نفی اور شہری بھائی چارہ	قومی یکجہتی	مسلمانوں کی باہمی اخوت

عصری اہمیت اور اختتامی تجزیہ

خطبہ حجۃ الوداع کے یہ اصول آج بھی ہر اس ریاست کے لیے رہنما ہیں جو عدل و فلاح کا دعویٰ کرتی ہے۔ موجودہ دور میں انسانی حقوق کے عالمی اعلانات کی دنیاوی تاریخ سے صدیوں پہلے ایک ایسے مجمع میں یہ اصول بیان کیے گئے جہاں سننے والے خود ان کے گواہ بنے اور انہیں آگے پہنچانے کا حکم بھی دیا گیا، جیسا کہ خطبے کے آخر میں حاضرین سے گواہی لینے کا تذکرہ روایات میں ملتا ہے۔ اسلامی ریاست کے بنیادی خدوخال کا خلاصہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ اس ریاست میں حاکمیت اللہ کی شریعت کی ہے، قانون سب کے لیے برابر ہے، انسانی جان، مال اور عزت محفوظ ہیں، معیشت سود اور استحصال سے پاک ہے، ہر منصب امانت ہے اور حکمران و عوام دونوں احتساب کے دائرے میں ہیں۔ البتہ یہ گفتگو تعلیمی اصولوں کی وضاحت ہے۔ کسی معاصر ریاست یا فرد کے بارے میں شرعی حکم کی تطبیق مستند علماء، مجاز عدالتوں اور آئینی اداروں کا کام ہے، طالب علم کا فریضہ ان اصولوں کو سمجھنا اور اپنی ذات پر نافذ کرنا ہے۔

نتیجہ

اختتاماً کہا جا سکتا ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع محض ایک مذہبی وعظ نہیں بلکہ اسلامی ریاست کا بنیادی دستوری چارٹر ہے۔ اس نے عدل کو مساوات اور قانون کی بالادستی کی صورت میں، امانت کو احتساب اور عوامی مال کے تحفظ کی صورت میں اور انسانی حقوق کو جان، مال، عزت اور صنفی انصاف کی صورت میں بیان کر دیا۔ ان اصولوں پر بننے والی ریاست دنیا کے لیے آج بھی رحمت کا نمونہ بن سکتی ہے، کیونکہ اس کی بنیاد طاقت پر نہیں بلکہ عدل، امانت اور انسانی کرامت پر رکھی گئی ہے۔ یہی فقہ السیرۃ کا حتمی پیغام ہے کہ سیرت کے اصول صرف تاریخ کا حصہ نہیں، زندگی کا نظام ہیں۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com